دینداری کے 2 دو دشمن

حرصِ مال وحبِ جاہ

مؤلف
حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ
(م: ۲۸؍ستمبر ۲۰۱۳ء)
(بانی: مدرسہ سراج العلوم، چھپرہ، ضلع مئو، یوپی)

FBD
فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

دینداری کے دو دشمن

حرصِ مال وحب جاہ

مولف

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ (م: ۲۸؍ستمبر ۲۰۱۳ء)
(بانی: مدرسہ سراج العلوم، چھپرہ، ضلع مئو یوپی)

ناشر

مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)

پن کوڈ:276403 موبائل:9235327576

تفصیلات

نام کتاب	:	دینداری کے دو دشمن
مؤلف	:	حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ
صفحات	:	40
طبع اول	:	۲۰۰۸ء
طبع دوم	:	۲۰۱۵ء
ناشر	:	مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)
قیمت	:	40/=

ملنے کے پتے

☆ فرید بک ڈپو پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲

☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

☆ مکتبہ ضیاء الکتب، مدرسہ سراج العلوم چھپرہ ضلع مئو یوپی 9235327576

☆ مکتبہ الفہیم صدر چوک مئوناتھ بھنجن 9236761926

☆ مولانا محمد خالد قاسمی مکتبہ دارارقم، اسلام آباد (ڈکہا) جون پور 9554983430

فہرستِ مضامین

☆	پیش لفظ (مولانا ضیاء الحق خیرآبادی)	۴
۱	حرصِ مال	۶
۲	شح	۱۰
۳	شح کی تشریح	۱۰
۴	حب جاہ	۱۱
۵	حب جاہ کی دوصورتیں	۱۱
۶	علماء سوء کے اوصاف	۱۳
۷	خوشامد اور جھوٹی تعریف	۱۷
۸	اللہ کی بندگی اصل ہے	۱۹
۹	علم وعمل کی نمائش	۲۱
۱۰	فتویٰ دینے سے احتیاط	۲۵
۱۱	علماء کے روابط حکومت سے	۲۷
۱۲	حکام کے دربار کی حاضری	۲۹
۱۳	عرض مترجم	۳۱
۱۴	تقویٰ کی نمائش	۳۴
۱۵	تواضع بہ نیت تکبر	۳۶
۱۶	محبت دنیا	۳۶
۱۷	آخرت کی حرص	۳۸
۱۸	حرص دنیا کا علاج	۳۸

﷽

پیش لفظ

علامہ زین الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن شہاب الدین بغدادی ثم دمشقی (۷۳۶ھ۔ ۷۹۵ھ) جو علامہ ابن رجب حنبلی کے نام سے مشہور ہیں، علماء حنابلہ میں ایک امتیازی شان کے مالک تھے۔ بغداد میں پیدا ہوئے اور دمشق میں وفات پائی۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں، جن میں طبقاتِ حنابلہ اور **جامع العلوم والحکم** کو خاص اہمیت حاصل ہے، مؤخرالذکر کتاب امام نوویؒ کی اربعین کی شرح ہے، علامہ موصوف نے اس میں مزید دس احادیث کا اضافہ کیا ہے، اس طرح یہ پچاس احادیث کی شرح پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے متعدد ایسے رسالے بھی لکھے جو ایک ایک حدیث کی شرح پر مشتمل ہیں، ان میں سے آٹھ رسالے طبع ہو چکے ہیں اور اتنے ہی غیر مطبوعہ ہیں۔ (دیکھئے **جامع العلوم والحکم**، ص: ۴۳، تحقیق: **شعیب الارناؤط**)

یہ کتابچہ بھی ان کے ایک ایسے رسالہ کا ترجمہ جو حضرت کعب بن مالکؓ سے مروی اس حدیث کی شرح پر مشتمل ہے: **عن کعب بن مالک الانصاریؓ قال : قال رسول اللہ ﷺ: ما ذئبان جائعان اُرسِلا فی غنمٍ بافسد لھا من حرص المرء علی المال والشرف لدینہٖ (احمد، نسائی، ترمذی، ابن حبان)** (ترجمہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

جس میں حرصِ مال اور حب جاہ کی تباہ کاریوں اور اس کے مضرات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ رسالہ اس لائق ہے کہ ہر ایک کے مطالعہ میں رہے، بالخصوص حضراتِ اہل علم کے! اس کی اہمیت کے پیش نظر استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ نے اسے اردو میں منتقل کیا اور اس پر بیش قیمت اضافات بھی کئے۔ اس سے قبل یہ ماہنامہ انوار العلوم جہانا گنج اور ماہنامہ ضیاء الاسلام شیخوپور میں شائع ہو چکا ہے، اور اب یہ مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد ضلع مئو سے شائع ہو رہا ہے۔ باری تعالیٰ اس کے نفع کو عام فرمائیں اور اس کے مندرجات پر عمل کی توفیق بخشیں۔

ضیاء الحق خیرآبادی

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۱ فروری ۲۰۱۵ء

الحمد للهِ رب العلمين و صلى الله علىٰ سيد نا محمدٍ و اٰلهٖ و صحبهٖ اجمعين ،،

عن كعب بن مالك الانصاريؓ قال : قال رسول الله ﷺ: ما ذئبان جائعان اُرسِلا في غنمٍ بافسد لها من حرص المرء على المال والشرف لدينهٖ (احمد، نسائی، ترمذی، ابن حبان)

حضرت کعب بن مالک انصاریؓ جناب نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بھوک سے پریشان دو بھیڑئے، اگر بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دئے جائیں، تو بکریوں کو اتنا نقصان نہیں پہونچا سکیں گے جتنا کہ انسان کے دین کو اس کی حرصِ مال اور حرصِ جاہ (مرتبہ کی ہوس) تباہ کرتی ہے۔

یہ حدیث حضرت کعب کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت اسامہ بن زید، حضرت جابر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہم أجمعین سے بھی کم وبیش انھیں الفاظ میں مروی ہے۔

حضرت جابرؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

ما ذئبان ضاريان ياتيان في غنم غاب رعاءها بافسد للناس من حب الشرف والمال لدين المؤمن.

دو خونخوار بھیڑئے، اگر بکریوں کے گلے میں جا پڑیں، اور ان کے چرواہے غائب ہوں، جب بھی وہ اتنی تباہی نہیں مچا سکتے، جتنی کہ مؤمن کے دین کیلئے مال اور مرتبہ کی ہوس تباہی مچا دیتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے معجزانہ اسلوب میں، اس بات کی بلیغ مثال بیان فرمائی

ہے کہ بندۂ مؤمن دنیا میں حب مال وجاہ کی حرص میں گرفتار ہوتا ہے، تو اس کے دین وایمان کو کیسا نقصان پہونچتا ہے؟ یہ نقصان کسی طرح اس نقصان سے کم نہیں ہے، کہ چرواہے غائب ہوں، اور بکریوں کے ریوڑ میں دو خونخوار اور بھوکے بھیڑئے جا پڑیں، اور وقت بھی مثلاً رات کا ہو۔ ظاہر ہے کہ رات بھر بکریوں کو چیرتے پھاڑتے رہیں گے اور مشکل ہی سے کوئی بکری بھیڑیوں کی درندگی سے بچ سکے گی۔

یہ اطلاع نبی کریم ﷺ دے رہے ہیں کہ مال وجاہ کی حرص سے دین وایمان کو جس تباہی اور صدمہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ بکریوں کی اس تباہی سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے، جو بھیڑیوں کی خون آشامی کے ہاتھوں انہیں پہونچ سکتی ہے بلکہ یا تو اس سے زیادہ ہوگی یا کم ازکم اس کے برابر۔

مقصد یہ ہے کہ جس طرح بھیڑیوں کی درندگی سے شاید وباید ہی کوئی بکری نجات پا سکتی ہے، اسی طرح حب مال اور حب جاہ کا بھیڑیا، جب انسان کے دین پر حملہ آور ہوتا ہے، تو بہت مشکل ہے کہ اس کی دینداری کا کوئی حصہ صحیح وسالم رہ جائے، اللہ اکبر کس قدر سخت تحذیر وتخویف ہے حرص مال وجاہ سے۔

حرصِ مال : حرصِ مال کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ آدمی مال کی شدید محبت کا شکار ہو، اور اس کے نتیجے میں مال کمانے میں بے تحاشہ مرتا کھپتا ہو، پھر گو کمائی کے طریقے سب مباح اور جائز ہوں، لیکن تحصیل وکسب میں اسے ایسا انہماک اور غلو ہو، جیسے مقصودِ زندگی یہی ہو، بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مذکورہ بالا ارشاد، ایسے ہی ایک واقعہ کے پس منظر میں ہوا تھا، چنانچہ حضرت عاصم بن عدی کی روایت طبرانی نے نقل کی ہے کہ انھوں نے خیبر کی زمین میں سے سو حصے (جو مجاہدین میں تقسیم ہوئے تھے) خرید لئے تھے۔ نبی کریم ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ: اگر بکریوں کا مالک بکریوں سے جدا ہوا اور ان میں دو خونخوار بھیڑئے جا پڑیں، تو بھی وہ انھیں اتنا تباہ نہیں کر سکتے، جتنا مسلمان کے دین کو جاہ ومال کی طلب برباد کرتی ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ حرص مال میں اگر کوئی خرابی نہ ہو تب بھی یہی مصیبت کیا کم ہے کہ آدمی کی بیش قیمت اور انمول عمر مال کی طلب وجستجو میں ضائع ہو جائے جبکہ وہ اسی زندگی میں آخرت کے بلند درجات اور لازوال نعمتیں بھی حاصل کر سکتا ہے، لیکن اس نے یہ قیمتی لمحات ایک ایسی چیز کی تلاش وطلب میں گنوادئے، جو اس کی پیدائش سے پہلے لکھی جا چکی تھی، اور ہزار کوشش کے بعد بھی وہ اپنی قسمت سے زیادہ ہرگز نہیں پا سکتا، پھر اس نے کما بھی لیا، تو اسے کیا فائدہ ملا؟ آخر دوسروں کے لئے چھوڑ کر چل دے گا۔ حساب اس کی گردن پر ہوگا، اور لطف دوسرے اٹھائیں گے۔

غور کرو! جس نے اس کی کمائی پر قبضہ کیا، وہ تو اس کی تعریف شاید کبھی کرے، جہاں یہ پہونچا ہے وہاں شاید ہی اسے معذور سمجھا جائے، سوچو تو سہی! کیسا افسوسناک خسارہ ہے۔(۱) حریص اپنے قیمتی اوقات کو مال جمع کرنے میں گنوا دیتا ہے، اور اس کے لئے خود کو بڑے بڑے خطرات میں ڈالتا رہتا ہے، کسی نے اچھی بات کہی ہے کہ غربت یہ نہیں ہے کہ آدمی کے پاس مال نہ ہو، ....، بڑی غربت یہ ہے کہ آدمی کے پاس دین کا سرمایہ نہ ہو، کسی مردِ دانا سے جب یہ کہا گیا کہ فلاں شخص نے بہت سارا مال جمع کر لیا ہے تو اس نے کہا کہ اس کے خرچ کرنے کی عمر بھی حاصل کر لی ہے یا نہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں، تو اس نے کہا پھر تو اس نے کچھ نہیں حاصل کیا۔

ایک اسرائیلی روایت ہے:

---

(۱) یعنی مال کا حریص، رات دن ایک کر کے دھن دولت کا انبار لگاتا ہے، لیکن اس سے اس کو حاصل کیا ہوتا ہے، اس کے مرنے کے بعد سارا سرمایہ وارثوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، اور چونکہ مال کا حریص خیر سے محروم ہوتا ہے، اس لئے ورثاء اس کے احسان سے متأثر تو کیا ہوتے، الٹے موقع بے موقع دبی یا کھلی زبان سے شکایت ہی کرتے ہیں، یہاں کا حال تو یہ ہوا۔ آخرت میں خدا کے پاس حاضر ہوا ہے، لوگوں کا حق مار کر پہونچا ہے، وہاں کیا توقع ہے، اب اس کے پاس عذر ہی کیا ہے؟ یہی ہے دنیا وآخرت کا خسارہ! جن کے لئے تنکا تنکا جمع کیا انھوں نے بھی کچھ صلہ نہ دیا، اور جس کے لئے کچھ کیا ہی نہیں اس سے صلہ مانگنے کا منہ ہی کیا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ

الرزق مقسوم والحریص محروم، یاابنَ آدم اذا أ فنیتَ عمرک فی طلب الدنیافمتیٰ تطلب الآخرة.

روزی تقسیم ہو چکی ہے اور حریص محروم ہے، اے آدم کے بیٹے! جب تو اپنی عمر طلب دنیا میں فنا کر دے گا تو طلب آخرت کے لئے کب وقت نکالے گا۔ جب تم دنیا میں نیکیوں سے عاجز رہ گئے تو بتاؤ قیامت کے دن کیا کرو گے؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یقین کا درجہ یہ ہے کہ تم خدا کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کرنے کے درپے نہ ہو۔

مترجم عرض کرتا ہے، کہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے درخواست کی کہ مجھے کچھ مختصر نصیحت لکھ دیجئے، انھوں نے تحریر فرمایا کہ:

اما بعد! جو شخص اللہ کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کرنا چاہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ تو اس سے ناراض ہوتے ہی ہیں، مخلوق کو بھی ناراض کر دیتے ہیں پھر اس کی مدح وثنا کرنے والا ہی اس کی مذمت کرنے لگ جاتا ہے، اور جو لوگوں کی ناراضگی کی پرواہ نہ کر کے، محض اللہ کو راضی کرنے کی فکر میں رہتا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ تو راضی ہوتے ہی ہیں، مخلوق کے دل میں بھی اس کی رضا ڈال دیتے ہیں۔

اور جو روزی خدا نے تمھیں عنایت فرمائی ہے، اس پر کسی دوسرے کی حمد وثناء مت کرو اور جو کچھ خدا نے نہیں دیا اس پر کسی اور کو برا بھلا مت کہو، (۱) کیونکہ روزی کو نہ تو کوئی

(۱) غیاث الدین بلبن کے دربار میں کسی بزرگ نے ایک سفارش لکھی، اس کا متن یہ ہے **رفعتُ قضیتَه الی اللہ ثم الیک، فان اعطیتَه فالمُعطی هو اللہُ و انت المشکور وإن منعتَه فالمانع هو اللہُ وانت المعذور** ۔اس شخص کا معاملہ اولاً میں نے اللہ کے حضور پیش کیا، پھر آپ کے پاس بھیج رہا ہوں، اگر اس کو آپ نے عطا فرمایا، تو دینے والے تو اللہ ہیں، اور ہم آپ کے شکر گذار ہوں گے اور اگر آپ نے نہیں دیا، تو مانع اللہ ہیں، اور آپ معذور ہوں گے۔

سبحان اللہ! یہ توحید ہے، جو کچھ ہمیں ملا، خواہ کسی ہاتھ سے ہو، کسی سبب سے ہو، دینے والا درحقیقت اللہ ہے، اور جو کچھ ہمیں نہیں ملا، خواہ رکاوٹ کسی وجہ سے ہو، خدا نے نہیں دینا چاہا، پھر کسی کو ملامت کرنے کے کیا معنی؟ کاش ہم لوگ اس بات کو سمجھ لیتے تو شکایتوں کا پشتارہ جو ہر شخص لادے پھرتا ہے، اس کے بوجھ سے بالکل آزاد ہو جاتا۔

حرص کھینچ سکتی ہے، اور نہ کسی ناراض کی ناراضگی روک سکتی ہے، اللہ تعالیٰ نے خوشی اور اطمینان کو یقین اور رضا میں رکھ دیا ہے، اور رنج وغم کو شکوک وشبہات اور ناراضگی میں۔

کسی بزرگ کا ارشاد ہے کہ جب تقدیر برحق ہے، تو حرص یقیناً باطل ہے، اور جب فریب اور دھوکہ انسانوں کی طبیعت ہے، تو ہر ایک پر اعتماد کر لینا بڑی عبادت کی بات ہے اور جب موت ہر ایک کے پیچھے لگی ہوئی ہے، تو دنیا میں مطمئن رہنا بدترین حماقت ہے۔

حضرت عبدالواحد بن زید خدا کی قسم کھا کر ارشاد فرماتے تھے آدمی دنیا کا حریص ہو یہ میرے نزدیک اس کے شدید دشمنوں سے زیادہ خطرناک چیز ہے، فرماتے تھے کہ بھائیو! کسی حریص کے اوپر اس کے مال وثروت اور دولت ووسعت کے باعث رشک نہ کرو۔ بلکہ کر سکو تو افسوس کرو کہ آج یہ ایسا کام کر رہا ہے، جو کل (آخرت میں) اسے برباد کر کے رہے گا۔ اور وہ ناسمجھی کے وجہ سے اکڑ رہا ہے، فرماتے تھے کہ حرص کی دو قسمیں ہیں، حرصِ فاجع، اور، حرصِ نافع، حرص نافع تو یہ ہے کہ آدمی اللہ کی طاعت کا حریص ہو، اور حرص فاجع یہ ہے کہ آدمی دنیا کا حریص ہو، دنیا کا حریص درحقیقت عذاب میں مبتلا ہے، کیوں کہ وہ اپنی بڑھی ہوئی مشغولیت کے باعث نہ دنیا میں کبھی مسرت وشادمانی کا موقع پاتا، اور نہ آخرت کے لئے وقت کو فارغ کر پاتا، نتیجہ یہ ہے کہ اسے نہ آخرت کی خوشی ملتی اور نہ دنیا کی مسرت۔

ایک عقلمند اپنے ایک بھائی کو جو حرص دنیا میں گرفتار تھا لکھا کہ تم دنیا کی حرص میں مبتلا ہو کر اس کے خادم بنے ہوئے ہو، اور وہ تمہیں دھکے دے رہی ہے، کبھی امراض کی صورت میں، کبھی اعراض کی صورت میں، کبھی آفات اور بلاؤں میں ڈال کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کبھی کسی حریص کو محروم اور کسی زاہد کو خوشحال نہیں دیکھا ہے، اور نہ یہ دیکھا ہے کہ مالدار بھی مر جاتا ہے، اور غریب بھی عمر بسر کر لے جاتا ہے۔

ایک دیہاتی نے حرص کے سلسلے میں اپنے بھائی پر خفا ہوتے ہوئے کہا کہ تم طالب بھی ہو اور مطلوب بھی ہو، تم مطلوب تو ایسی چیز (موت) کے ہو جس سے بچ کر تم بھاگ نہیں سکتے، اور طالب ایسی چیز کے ہو، جس کی ذمہ داری دوسرے کے سر ہے (یعنی خدا پر) میرے

بھائی! کیا تم نے کسی حریص کو محروم اور کسی زاہد کو بامراد نہیں دیکھا ہے، کسی حکیم کا قول ہے کہ سب سے طویل رنج وغم حاسد کی قسمت ہے، اور خوشگوار زندگی قناعت پسند کا نصیبہ ہے اور تکالیف پر سب سے زیادہ صبر حریص کو کرنا پڑتا ہے، اور سب سے پُر لطف زندگی تارکِ دنیا کی ہوتی ہے، اور سب سے زیادہ ندامت عالم بے عمل کو ہوگی۔

شُح : ہوسِ مال کی دوسری قسم یہ ہے کہ آدمی حلال اور جائز طریقوں سے تجاوز کر کے حرام اور ناجائز طریقوں میں جا پڑے، اور حقوق واجبہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگے ،قرآن میں اس کیفیت کو ''شُحّ'' سے تعبیر کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ	جو شخص شحِ نفس سے بچالیا گیا، یہی
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ	لوگ کامیاب وبامراد ہیں

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: شُح سے بچو، اس لئے کہ اگلے لوگوں کو اسی شُح نے تباہ کیا، اسی رذیلہ نے اسے قطع رحمی پر آمادہ کیا، اور وہ اس میں مبتلا ہوئے، اسی نے بخل پر اُبھارا اور وہ اس میں پڑے، اسی نے فسق وفجور کی راہ دکھائی اور وہ اس پر چل پڑے۔ (ابوداؤد)

حضرت جابرؓ اس طرح نقل کرتے ہیں کہ:

''شُح سے بچو، اسی نے اگلوں کو ہلاک کیا، اس رذیلہ نے لوگوں کو اس نوبت تک پہونچادیا کہ آپس میں خونریزیاں کیں اور حرام کو حلال کرلیا''۔

شُح کی تشریح :علماء فرماتے ہیں کہ شُح اس بے محابا اور شدید حرص کا نام ہے جس میں نہ حرام کی پروا ہو، اور نہ حقوق کی ادائیگی کی فکر! درحقیقت شُحِ نفس کا ایسا رذیلہ ہے کہ انسان کو حلال اور جائز چیزوں پر قناعت نہ کرنے دے، بلکہ اس کو ابھارا بھار کر حرام اور ناجائز جھاڑیوں میں الجھاتا رہے، ظاہر ہے حق تعالیٰ نے ہمارے واسطے کھانے پینے اور لباس ونکاح کے باب میں پاکیزہ چیزوں کو حلال اور ناپاک اور خبائث کو حرام کر رکھا ہے، اور یہ بات کسی طرح جائز نہیں ہے کہ ناحق کسی کا مال ہضم کرلیا جائے، یا اس کا خون ضائع کیا

جائے، پس جس کی کدو کاوش مباحات کے دائرے میں رہی، وہ تو مومن ہے، اور جس نے تجاوز کر کے غلط راہیں اختیار کیں، ,,وہ شح مذموم,, میں جاپڑا، جو کہ ایمان کے منافی ہے، چنانچہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اطلاع دی کہ شح آدمی کو قطع رحمی، فسق وفجور اور بخل پر برانگیختہ کرتا ہے۔ بخل کیا ہے؟ اپنے مال کو خرچ کرنے سے بلا وجہ روکنا، اور شح کیا ہے؟ دوسرے کے مال کو ناحق دبالینا، بعض لوگوں نے شح کو,, **راس المعاصی**'' (گناہوں کی جڑ) کہا ہے، شح اور بخل کی یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے، حضرت ابو ہریرہؓ، آنحضرتﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ:

لایجتمع الشح و الایمان فی مومن — ایمان اور شح دونوں کسی مومن میں جمع نہیں ہوسکتے

دوسری حدیث میں ہے کہ:

افضل الایمان الصبر و السماحة — بہترین ایمان صبر اور سماحت ہے

صبر کا مطلب ہے حرام چیزوں سے پرہیز کرنا، اور سماحت نام ہے واجبات کے ادا کرنے کا، بعض لوگوں نے شح اور بخل کو ایک ہی چیز بتایا ہے، لیکن درحقیقت یہ دونوں علیٰحدہ علیٰحدہ صفات ہیں۔ مال کی ہوس جب بڑھ کر شح کے درجے تک پہونچ جاتی ہے، تو دین اور ایمان میں نقص اور فتور واقع ہوجاتا ہے۔ پھر ایمان بہت تھوڑا سا باقی رہ جاتا ہے۔

حب جاہ: حب جاہ کی تباہ کاریاں حرص مال سے بھی بڑھ کر ہیں، آدمی کے دل میں دنیا کی سربلندی، رفعت وعلو اور لوگوں پر حکومت کرنے کی خواہش کا ہونا، ہوسِ زر کے مقابلے میں زیادہ خطرناک اور مضر ہے اور اس سے دامن کا بچانا مشکل بھی ہے۔ بسا اوقات آدمی جاہ ومرتبہ کے حصول کیلئے مال کی قربانی کو بخوشی گوارہ کر لیتا ہے۔

حب جاہ کی دو صورتیں: حب جاہ کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ حکومت وریاست اور دولت وثروت کو ذریعہ بنا کر جاہ ومرتبہ کی خواہش پوری کی جائے یہ بہت خطرناک حالت ہے، اس حالت میں عموماً آخرت سے آدمی محروم ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے:

تِلْکَ الدَّارُ الْآخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوّاً فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَاداً وَّالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ

یہ دار آخرت ہم اسے ان لوگوں کے حصے میں لگاتے ہیں جو زمین میں برائی اور خرابی نہیں چاہتے، اور اچھا انجام متقیوں کے لئے مخصوص ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ آدمی حکومت و ریاست حاصل کر کے جاہ و مرتبہ کی خواہش پوری کرے اور پھر اسے حق و انصاف کی بھی توفیق میسر ہو، ایسا شخص اللہ رب العزت کی حمایت و نصرت سے محروم ہو جاتا ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ:

''اے عبدالرحمٰن! حکومت اور سرداری کا سوال مت کرو، اگر تم نے مانگ کر اسے حاصل کیا، تو اسی کے حوالے کر دئے جاؤ گے (یعنی اس میں ایسا الجھو گے کہ خلاصی مشکل ہوگی) اور اگر بے مانگے زبردستی گلے لگا دی جائے تو خدا کی جانب سے تمہاری مدد کی جائے گی۔''

علمائے سلف میں سے کسی کا ارشاد ہے کہ حکومت کا حریص کبھی انصاف نہیں کر سکتا۔ یزید بن عبداللہ بن موہب نیک اور انصاف ور قاضی تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ جس شخص کا دل مال و جاہ کی حرص میں مبتلا ہوگا، اور اس باب میں تغیر انقلاب سے ڈرتا ہوگا، وہ کبھی انصاف نہیں کر سکتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

انکم ستحرصون علی الامارۃ وستکون ندامۃ یوم القیامۃ فنعمت المرضعۃ وبئست الفاطمۃ	تم لوگ امارت و حکومت کی ہوس میں مبتلا ہوگے، حالانکہ وہ قیامت کے دن ندامت ثابت ہوگی، دودھ پلانے میں تو اچھی معلوم ہوتی ہے، لیکن دودھ چھڑانے میں بہت ہی بری ہے۔

(یعنی جب تک حکومت ہے، اسکی لذت بہت بھلی معلوم ہوتی ہے، لیکن حکومت ختم ہونے کے بعد اتنی ہی بری ثابت ہوتی ہے) (بخاری شریف)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو آدمیوں نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حکومت کا کوئی منصب حاصل کرنا چاہا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انّا لا نؤتی امرنا ھٰذا من سأله، ولا من حرص علیه	ہم یہ عہدے مانگنے والوں اور عہدے کے حریصوں کو نہیں دیا کرتے۔ (بخاری شریف)

خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ عہدہ اور منصب کی لالچ، کئی طرح کی حرص وہوس کا مجموعہ ہے، عہدہ حاصل کرنے سے پہلے آدمی اس کے اسباب وذرائع کی لالچ اور ان کی طلب میں گرفتار ہوتا ہے، اور عہدہ حاصل ہو جانے کے بعد اس کے بقاء واستحکام کی حرص اسے ظلم وتکبر جیسی ہلاکتوں میں گرا دیتی ہے،

امام ابو بکر آجریؒ جو اوائل چوتھی صدی ہجری کے کبار علماء میں ہیں انہوں نے ''اخلاق العلماء و آدابھم'' کے موضوع پر ایک بیش قیمت کتاب تالیف فرمائی ہے(۱) اسے بنظر غور وتأمل پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ علماء سلف کا طریقہ اور دستور کیا تھا، اور ان کے بعد کیا غلطیاں رواج پکڑ چکی ہیں۔ اس میں امام موصوف نے علماء سوء کے اوصاف وحالات پر مبسوط گفتگو کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

علماء سوء کے اوصاف: دنیادار عالم کو تعریف وشہرت اور جاہ ومرتبہ کی ہوس فتنے کی گھاٹیوں میں گرا دیتی ہے، وہ خود کو علم وفن سے اس طرح آراستہ کرتا ہے، جیسے عورتیں، زیور سے بناؤ سنگھار کرتی ہیں، لیکن وہ علم کے جمال سے محروم رہتا ہے، پھر طویل کلام کے بعد فرمایا۔ اس قسم کے اوصاف واخلاق، اس عالم کے ہوتے ہیں، جس کے دل میں علم راسخ نہیں ہوا ہے، یہ چیزیں اس کے دل میں جاہ ومرتبہ کی خواہش پیدا کرتی ہیں،

(۱) خاکسار کے قلم سے اس کا ترجمہ اخلاق العلماء ہی کے نام سے فرید بک ڈپو سے شائع ہو چکا ہے۔

پھر وہ چاہتا ہے کہ حکام وسلاطین اور دولت مندوں سے اس کا تعلق ہو، ان کی ہم نشینی اختیار کرے، اور ان کی خصوصیات مثلاً شان وشوکت، خدم وحشم، سواریوں کی ریل پیل، خوشنما و خوشرنگ قیمتی ملبوسات، آرام دہ نرم نرم بچھونے اور انواع واقسام کے لذائذ امراء واہل ثروت کی طرح اسے بھی حاصل ہوں، اس کی خواہش ہوتی ہے لوگ ہر وقت اس کی باتیں سنیں، اس کی اطاعت کریں، پھر یہ باتیں.....دیکھتا ہے کہ.....بجز کسی عہدہ اور منصب کے حصول کے مشکل ہے، تو وہ اس کی سعی میں لگ جاتا ہے، پھر دیکھتا ہے کہ عہدہ اور منصب کا حصول دین ودیانت کی قربانی دئے بغیر دشوار ہے، تو وہ اس کے لئے بھی تیار ہوجاتا ہے، اب اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ حکام کے سامنے ذلت اور پستی اختیار کرتا ہے، اور یہ بات صرف حکام تک نہیں رہتی، بلکہ ان کے حاشیہ نشینوں اور چپراسیوں تک کی خوشامد اور چاپلوسیوں تک جاپہونچتی ہے، وہ اس غرض سے ان پر بھی مال صرف کرتا ہے، ان کی خدمت بجالاتا ہے، ان کے مکانات اور دفتروں میں منکرات اور خلافِ شرع امور کا مشاہدہ کرتا ہے، اور ان سے چشم پوشی اور سکوت اختیار کرتا ہے بلکہ اکثر تو ان کے گندے افعال کی خوبصورت توجیہ وتاویل کرتا رہتا ہے، تاکہ ان امراء اور حکام کی نگاہوں میں اس کی قدر ومنزلت قائم رہے، یہ حالت جب عرصہ تک قائم رہتی ہے، اور بگاڑ اس کی طبیعت میں جڑ پکڑ لیتا ہے، تب کہیں جاکر اسے کوئی عہدہ نصیب ہوتا ہے، اس لئے یہ عہدہ پر فائز ہونا، درحقیقت بغیر چھری کے ذبح ہوجانا ہے، لیکن وہ سمجھتا ہے کہ ان امراء وحکام نے میرے اوپر احسانِ عظیم کیا ہے، اور ان کی شکر گذاری میرے اوپر لازم ہے اس غرض سے وہ مشقتیں جھیلتا ہے، تاکہ حکام ناراض ہوکر عہدہ چھین نہ لیں، اسے یہ نہیں سوجھتا کہ حاکم حقیقی اس پر کس درجہ ناراض ہے، اب اس کا کام یہ رہ جاتا ہے کہ یتیموں، بیواؤں، اور فقراء ومساکین کا مال کھاتا رہے، اوقاف میں خرد برد کرے، مجاہدین واہل حرمین کے مالوں میں خیانت کرے، اور اموال عامہ جن کا نفع عوام الناس کے لئے مخصوص ہے، ان پر دست درازی کرے، منشیوں، دربانوں، چپراسیوں، اور اہل کاروں کی جیب بھرتا رہے، حرام کھائے، حرام کھلائے، اور

اپنے اوپر بددعا کرنے والوں کی تعداد بڑھاتا رہے، اللہ کرے، ایسا آدمی تباہ ہو جائے، جس کے علم کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہو، اسی علم سے رسول اللہ ﷺ نے پناہ چاہی ہے، اور ایسے ہی عالم کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے کہ:

ان اشد الناس عذاباً یوم القیامة عالم لم ینفعه الله بعلمه۔	قیامت کے روز سب سے سخت عذاب اس عالم کو ہوگا جس کے علم سے خدا نے اس کو کوئی فائدہ نہ دیا ہو۔

اور آپ فرمایا کرتے تھے:

اللّٰھم انّی اعوذ بک من علم لا ینفع ومن قلب لایخشع ومن نفسٍ لا تشبع ومن دعاءٍ لایسمع.	اے اللہ! میں ایسے علم سے جو نافع نہ ہو، ایسے قلب سے جو خاشع نہ ہو، ایسے نفس سے جو آسودہ نہ ہو، اور ایسی دعاء سے جو قبول نہ ہو، آپ کی پناہ چاہتا ہوں،

اور آپ ﷺ یہ بھی دعاء فرماتے تھے:

اللّٰھم انّی اسئلک علماً نافعاً واعوذ بک من علمٍ لا ینفع۔	اے اللہ! میں آپ سے علم نافع کا سوال کرتا ہوں، اور ایسے علم سے پناہ چاہتا ہوں جو نافع نہ ہو۔

غور کرو، یہ باتیں امام ابوبکر آجریؒ لکھ رہے ہیں، جن کا دور تیسری صدی ہجری کے اواخر کا ہے، پھر اس کے بعد بگاڑ بڑھتا ہی گیا ہے۔

حکومت کی طلب اور اس کی حرص حب جاہ ہی کا نتیجہ ہے، یہ ایک اہم اور غامض مسئلہ ہے، اس کی خرابیوں اور نقصانات پر وہی علماء واقف ہو سکتے ہیں، جنھیں اللہ کی معرفت اور اس کی سچی محبت حاصل ہوتی ہے، اور جو اپنے علم وفضل کے باعث جاہلوں کی ناقدری اور عداوت کے شکار رہتے ہیں، کون جاہل؟ وہی جن کا رتبہ نہ اللہ کے نزدیک ہے، اور نہ اللہ

والوں کے نزدیک، انھیں جہلاء کے بارے میں حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ:

''یہ لوگ اگر چہ انہیں لے کر خچر ہنکاریں، اور گھوڑے ہنہنائیں، لیکن معصیت کی ذلت ان کی گردن میں پڑی ہوئی ہے اللہ کو اس کے علاوہ کچھ منظور ہی نہیں کہ اپنے نافرمانوں کو ذلیل کرے۔''

اگر جاہ و منصب کا مقصد صرف یہ ہو کہ خلائق پر اس کا رتبہ بلند رہے، اس کا حکم چلتا رہے، معاملات کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں رہے، لوگ ہر ہر معاملے میں اس کے محتاج اور نیاز مندر ہیں، اور اپنی ضروریات کی درخواستیں اس کے پاس لایا کریں۔ تو درحقیقت اس کا نفس خدا کی ربوبیت والوہیت کا مدمقابل بن رہا ہے، ایسا شخص بسا اوقات ایسے اسباب کھڑے کر دیتا ہے کہ لوگ اپنی حاجات وضروریات اس کے پاس لانے اور اس کی نیاز مندی کرنے پر مجبور و بے بس ہو کر رہ جائیں، پھر وہ اپنی عظمت اور اہمیت جتلاتا ہے، حالانکہ یہ شان بجز خدا کے اور کسی کیلئے روا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی اُمَمٍ مِنْ قَبْلِکَ فَاَخَذْنَاهُمْ بِالْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ (سورہ انعام: ۴۲)	ہم نے تم سے پہلے اور امتوں کی جانب رسول بھیجے پھر انہیں ہم نے فقر اور مرض میں جھنجھوڑا تا کہ وہ عجز وزاری کریں۔

اور فرمایا:-

وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا اَخَذْنَا اَهْلَهَا بِالْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ (الاعراف)	ہم نے جب بھی کوئی نبی کسی آبادی میں بھیجا، وہاں کے باشندوں کو شدائد ومصائب میں ہم نے ضرور مبتلا کیا، تا کہ وہ عجز و نیاز مندی اختیار کریں

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے، تا کہ اس کا گریہ اور اس کی زاری کو سنے، نیز منقول ہے کہ جب اللہ کا کوئی محبوب بندہ دعا کرتا ہے،

تو حق تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ اس کی حاجت ابھی نہ پوری کرو۔ مجھے اس کی نیازمندی اور تضرع و عاجزی بہت پسند ہے۔

یہ امور جن کا اوپر ذکر ہوا، یعنی ایسے اسباب پیدا کرنا کہ لوگ اس کے آگے جھکنے پر مجبور ہوں۔ بندے کے حق میں ظلم سے زیادہ خطرناک اور مضر ہیں، بلکہ بعض لحاظ سے شرک سے بھی بڑھ کر ہیں۔ اور شرک اللہ کے نزدیک ظلم عظیم ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

یقول اللہ تبارک و	اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تکبر میری
تعالیٰ! الکبریاء ردائي	چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے، ان
والعظمة ازاری فمن	دونوں کے سلسلے میں جو مجھ سے کشمکش
نازعنی فیهما عذبته'	کرے گا اسے عذاب دوں گا۔

علماء سلف میں سے ایک بزرگ منصب قضاء پر فائز ہوئے، انہوں نے خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے تم قاضی ہو اور اللہ بھی قاضی ہے، پس یہ سننا تھا کہ گھبرا کر اٹھے، اور فوراً اس عہدے سے استعفیٰ دے دیا، اسی لئے محتاط قاضیوں کا یہ دستور تھا کہ خود کو قاضی القضاۃ کہے جانے سے لوگوں کو سختی سے روکتے تھے، کیوں کہ قاضی القضاۃ کا لقب ایسا ہی ہے، جیسے ملک الملوک، یعنی شہنشاہ اور ملک الملوک نام رکھنے کی حدیث میں سخت مذمت وارد ہے، آپ نے فرمایا کہ مالک تو صرف اللہ ہے، یہی حال حاکم الحکّام کے لقب کا بھی ہے۔

خوشامد اور جھوٹی تعریف: جاہ و منصب کا حریص ہمیشہ اس بات کا خواہاں رہتا ہے کہ لوگ اس کی خوشامد اور تعریف کرتے رہیں، اور جو لوگ اس کی خوشامد سے بچنا چاہتے ہیں، انہیں مختلف حیلوں سے ستانے کی کوشش کرتا ہے حالاں کہ جن کاموں پر وہ تعریف کا خواہش مند ہوتا ہے وہ تعریف سے زیادہ مذمت کے لائق ہوتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی بظاہر ایک اچھا کام کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ لوگ اس کی مدح سرائی کریں، لیکن اس کی یہ نیت بہت بری ہے، یہ شخص اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں داخل ہے:

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُحْمَدُوْا بِمَا لَمْ

يَفۡعَلُوۡا فَلَا تَحۡسَبَنَّهُمۡ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الۡعَذَابِ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ۔

جو لوگ اپنے اعمال پر اتراتے ہیں، اور جو کام نہیں کئے ان پر بھی تعریف کے آرزو مند ہیں، انھیں تم عذاب سے نجات یافتہ ہرگز نہ گمان کرو، ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔ (سورہ آل عمران: ۱۸۸)

یہ آیت ایسے ہی ہوسناکوں کے متعلق نازل ہوئی ہے، جن میں مذکورہ بالا خصوصیات پائی جاتی تھیں، خوب سمجھ لینا چاہئے کہ مخلوق سے حمد وثناء کا مطالبہ، اور ان کو اپنی محبت وعقیدت کا پابند بنانا، ایسا نہ کرنے پر سزا دینا صرف خداوند جلّ شانہٗ کی شان اقدس ہے، اسی وجہ سے سچے اور حقیقی علمائے دین کا یہ شیوہ تھا کہ ان کے کسی عمل یا احسان پر کوئی شخص ان کی تعریف کرتا تو اسے روک دیتے اور فرماتے کہ صرف خدا کی حمد وثنا کرو، تمام احسانات اسی کی جانب سے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اس کا بڑا اہتمام تھا، ایک مرتبہ حج کے موقع پر انہوں نے ایک خط تحریر فرمایا، اس میں عامۃ المسلمین کو بتایا گیا تھا کہ جن مظالم کے وہ گزشتہ سلاطین وخلفاء کے دور میں نشانہ بنے رہے ہیں، اب ان کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ اور ان کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرنے کے تمام عمال وحکام پابند ہیں، پھر یہ تحریر فرمایا کہ اس بات پر لوگ صرف خدا کی حمد کریں، کیونکہ گزشتہ سلاطین کی طرح اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی توفیق سلب کر لیتے تو میرا حال ان سے کچھ مختلف نہ ہوتا۔

انھیں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس ایک عورت حاضر ہوئی، اور اس نے اپنی چار یتیم بچیوں کے لئے وظیفہ کی درخواست کی، آپ نے دو کے لئے وظیفہ مقرر فرمایا۔ اس نے اللہ کا شکر ادا کیا، اور اس کی حمد وثناء بجالائی۔ آپ نے اس کے بعد تیسری کا بھی وظیفہ متعین کر دیا، اب وہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا شکریہ ادا کرنے لگی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے تو وظیفہ اس لئے مقرر کیا کہ تو خدا کا شکر ادا کر رہی تھی، اب تم سے غلطی ہوگئی، جاؤ چوتھی کا وظیفہ نہیں مقرر ہوگا۔ تم تینوں بچیوں سے کہو اپنے وظائف سے چوتھی کی خبر گیری کرتی رہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا منشاء یہ ہے کہ والی وحاکم اپنا مرتبہ ومقام پہچانیں، ان کی حیثیت صرف اس قدر ہے کہ وہ اللہ کے احکام کا نفاذ کریں۔ بندوں کو خدا کے اوامر و نواہی کا پابند بنائیں، اور ساتھ ہی ساتھ اللہ کے حقوق میں کوتاہی کرنے سے خائف رہیں۔

اللّٰہ کی بندگی اصل ہے: غرض جنھیں اللہ کی محبت ومعرفت کی روشنی حاصل ہوتی ہے، ان کی سب سے بڑی خواہش یہی ہوتی ہے کہ مخلوقِ خدا، خدا کی محبت اور اس کے عشق میں ڈوبی ہوئی ہو، خدا کی اطاعت وفرمانبرداری، اس کا اوڑھنا بچھونا ہو، اور محض اس کی بندگی میں فنا ہو، پھر خیال کرنے کی بات ہے کہ جو خدا کے ساتھ کسی طرح کی مزاحمت کرتا ہو، اس کا ان کے نزدیک کیا درجہ ہوگا۔ یہ حضرات تو اس مقام بلند پر فائز ہیں۔ جہاں مخلوق سے نہ کسی جزا کی انہیں طلب ہے، اور نہ شکرگذاری کی آرزو! انہیں اپنے اعمال کا بدلہ فقط اللہ کی جانب سے چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَاداً لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰکِنْ کُوْنُوْا رَبَّانِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ وَلَا یَاْمُرَکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوْا الْمَلٰئِکَةَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَاباً اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ۔

کسی بشر کیلئے یہ کسی طرح درست نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اسے کتاب وحکمت اور نبوت عطا فرمائے، پھر وہ لوگوں سے کہنے لگ جائے کہ تم لوگ میرے بندے بن جاؤ، لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ تم اللہ والے بنو، کیونکہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور اس کو پڑھتے ہو، اور نہ یہ درست ہے کہ تم کو حکم دے کہ تم خدا کو چھوڑ کر انبیاء اور ملائکہ کو خدا مان لو۔ بھلا مسلمان ہونے کے بعد وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

لاتطرونی کما اطرت النصاریٰ المسیح بن مریم انما انا عبد

فقولوا عبد اللہ ورسولہٗ.

تم میری مدح میں غلو مت کرو، جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں غلو کیا، میں تو محض ایک بندہ ہوں، مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہو۔

آپ نے ادب و تعظیم کے اس غلو کو تخاطب میں بھی پسند نہیں فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد مبارک ہے:

لاتقولوا ماشاء اللہ وشاء	تم اس طرح مت کہو کہ جو اللہ اور محمد
محمد بل قولوا ماشاء اللہ	چاہیں، بلکہ یوں کہو جو اللہ چاہے
ثم ماشاء محمد	پھر جو کچھ محمد چاہیں (ﷺ)

ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ **ماشاء اللہ وشئتَ**، جو کچھ اللہ چاہیں اور آپ چاہیں۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا:

اَجَعلتَنی نِدّاً لِلّٰہ بل	کیا تم نے مجھے خدا کا ہم پایہ
ماشاء اللہ وحدہٗ	بنا دیا بلکہ جو کچھ فقط اللہ چاہے۔

انھیں احادیث کی وجہ سے رسولوں کے خلفاء اور ان کے انصاف ور نائبین اور حکّام وقضاۃ نے کبھی اپنی تعظیم و تکریم کی دعوت نہیں دی، ان کی دعوت صرف اس بات کی ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم و عبادت کی جائے، یہ اکابر حکومت کو بھی اسی لئے قبول کرتے تھے کہ اس کی مدد سے دعوت الی اللہ کے فریضہ میں سہولت ہوگی، فرماتے تھے کہ اس کی ذمہ داری کے قبول کرنے کا سبب محض یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی میں اس سے اعانت ہوگی، چنانچہ پیغمبروں نے اور ان کے جانشینوں نے دعوت وارشاد کی راہ میں بڑی بڑی مصیبتیں جھیلی ہیں نہ جانے مخلوق کی جانب سے ان کی راہ میں کتنی مشکلات کھڑی کی گئیں لیکن صبر و استقامت کے ساتھ وہ برداشت کرتے رہے۔ اور صرف صبر کیا معنیٰ؟ وہ ان شدائد و مصائب پر دل سے رضامند و مسرور رہے، کیوں کہ محبوب کی راہ میں عاشق کو خواہ کیسے ہی صدمات کا مقابلہ ہو، اسے لطف ولذت ہی حاصل ہوتی ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے صاحبزادے عبد الملک نے جب دیکھا کہ ان کے والد عدل وانصاف کی اقامت اور حق کی تنفیذ کیلئے انتہا درجہ آرزومند اور کوشاں رہتے ہیں، تو انہوں نے عرض کیا کہ ابا جان! میرا تو جی چاہتا ہے کہ اللہ کی راہ میں مجھے اور آپ کو کھولتی ہوئی ہانڈی میں ڈال کر جوش دیدیا جائے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ کاش میرا جسم قینچیوں سے کاٹ کر پارہ پارہ کر دیا جاتا لیکن یہ مخلوق تمام تر اللہ عزوجل کی اطاعت گزار اور فرمابردار ہو جاتی، ان کی یہ بات جب ایک اور بزرگ کے سامنے نقل کی گئی۔ تو انھوں نے ارشاد فرمایا کہ اگر کہنے والے کی منشاء مخلوقِ خدا کی خیر خواہی اور نصیحت ہے، تب تو خیر بات سمجھ میں آتی ہے، ورنہ میں نہیں جانتا، اتنا فرما کر وہ غایت تاثر میں بے ہوش ہو گئے، مطلب یہ ہے کہ اگر کہنے والے کے دل میں مخلوق کے ساتھ حد درجہ شفقت ومہربانی کا جذبہ ہے، اس کے باعث وہ نہیں چاہتا ہے کہ خلق خدا عذاب میں گرفتار ہو، بلکہ اس کے فدیئے میں تنہا اس کی جان کو مبتلائے عذاب کر کے اوروں کو چھٹکارا دیدیا جائے، اگر یہ بات ہے، تب تو خیر، لیکن اگر اس کے سامنے خدا تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور ان کا قہر وجلال رہا ہو، وہ عظمت وکبریائی اور وہ قہر وجلال جس کے باعث وہ مہر اکرام واطاعت اور محبت وشیفتگی کے مستحق ہیں، اگر خدا کی بزرگی وبرتری کے اس دید ومشاہدہ نے ان میں یہ جذبہ پیدا کیا ہو کہ کاش ساری مخلوق خدا کی بندگی وطاعت میں لگ جاتی، خواہ اس کے لئے مجھے بڑی سے بڑی مصیبت جھیلنی پڑے، ظاہر ہے کہ یہ مقام ومرتبہ خواص اولیاء اللہ اور سچے عارفین ومحبین کا ہے، یہ مرتبہ جب ان بزرگوں کی نظر میں آیا تو غایت تاثر نے انھیں بے ہوش کر دیا، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے محبین کی خاص صفت ارشاد فرمائی ہے کہ وہ اس کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، اور کسی طنز وملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔

علم و عمل کی نمائش: حرص جاہ کی دوسری شکل یہ ہے کہ آدمی حصولِ جاہ کا زینہ دینی امور یعنی علم وعمل اور زہد وعبادت کو بنائے، یہ قسم اول کے مقابلہ میں زیادہ بدتر ہے، کیونکہ علم وعمل ہو یا زہد وتقویٰ، ان کے واسطے سے جنت کے درجات عالیہ،

اس کی لازوال نعمتیں اور اللہ کا قرب اور اس کی رضاء وخوشنودی مطلوب ہوتی ہے، حضرت سفیان ثوریؒ کا ارشاد ہے کہ علم کی فضیلت محض اس وجہ سے ہے کہ وہ تقویٰ کا زینہ ہے، ورنہ اور چیزوں کی طرح وہ بھی ایک چیز ہے، پھر جو شخص ان چیزوں کو حصول دنیا کا ذریعہ بناتا ہے ،اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ ان عبادات سے آدمی مال کمانا چاہے، تو یہ حرص مال ہی کی ایک شاخ ہے کہ اسے حرام طریقے پر طلب کر رہا ہے،

حدیث میں ہے کہ:-

من تعلم علماً مما يبتغی به وجه الله لا يتعلمه الاليصيب به عرض الدنيا لم يجد عرف الجنة يوم القيامة	علم جو کہ رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے، اگر کسی شخص کا مقصد اس کی تحصیل سے دنیا کا کوئی سامان ہے، تو قیامت کے دن جنت کی خوشبو تک وہ نہ پائیگا (۱) (احمد، ابوداود، ابن ماجہ، ابن حبان)

اس کا سبب..........واللہ اعلم..........غالباً یہ ہے کہ دنیا میں ایک نقد جنت ہے، وہ ہے اللہ کی معرفت، اس کی ملاقات کا شوق وانس، اس کی خشیت وطاعت، اس جنت کے حصول کا ذریعہ علم ہے، جس شخص کا علم اسے اس جنت میں پہونچائے گا، وہی آخرت والی جنت کا مستحق ہوگا، اور جس نے اس جنت کی خوشبو نہیں پائی وہ اس جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا، یہی وجہ ہے کہ جس عالم کو اس کے علم کے باعث اللہ تعالیٰ نفع نہ دے وہ قیامت کے دن سب سے سخت عذاب میں مبتلا ہوگا، اور اس کو ندامت اور حسرت بھی سب سے بڑھ کر ہوگی، کہ اس کے پاس وہ چیز تھی، جو جنت کے درجات عالیہ کے حصول کا سبب بن سکتی

(۱) یہ حدیث طلبۂ علم کو ہر وقت پیش نظر رکھنی چاہئے، آج کل دینی تعلیم دنیا کے واسطے حاصل کرنے کا رواج بہت بڑھ چکا ہے، جو مدارس گورمنٹ کے تعلیمی بورڈ سے اپنا رشتہ جوڑ چکے ہیں ان میں اغراض دنیا سے علم دین کا پاک ہونا محض خواب وخیال ہے، افسوس اہل علم اپنے ہاتھوں جناب نبی اکرم ﷺ کی وعید میں خود کو جھونکے دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔

تھی، لیکن وہ اس کے ذریعے حقیر و ذلیل چیزیں حاصل کرتا رہا، اس عالم کی مثال ایسی ہے ، جیسے کسی بیوقوف کے پاس قیمتی زر و جواہر ہوں، اور وہ انھیں گوبر اور مینگنی کے بدلے فروخت کردے، بعینہ یہی حال اس شخص کا ہے، جو اپنے علم سے دنیا کمانے کی سعی کرتا ہے، اور اس سے بدتر اس شخص کا حال ہے، جو زہد و تقویٰ کی نمائش کر کے دنیا کماتا ہے، یہ تو سراسر دھوکا ہے، حضرت ابوسلیمان دارانی اس زاہد کو کوئی رتبہ دینے کو تیار نہ تھے، جس کے دل میں اپنے بدن پر پڑے ہوئے کرتے سے زیادہ دنیا کی خواہش موجود ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں شرعی لباس پہن کر زہد کا اظہار کرنا، اسی کے لئے درست ہوسکتا ہے، جس کا قلب تعلقات دنیا سے بالکل فارغ ہو چکا ہو، حتیٰ کہ ظاہراً جتنی قیمت کا لباس اس کے جسم پر ہے، دل میں اس سے زیادہ کی خواہش ہرگز موجود نہ ہو، تاکہ ظاہر و باطن میں یکسانیت قائم رہے۔

الصوفی من لبس الصوف	صوفی وہ ہے، جو صفاء قلب کے
علی الصفاوسلک طریق	ساتھ موٹا جھوٹا پہنے، اور طریق
المصطفیٰ واذاق الهویٰ	مصطفیٰ پر گامزن ہو، اور سختی جھیلنے
بعد الجفا و کانت الدنیامنه	کے بعد نرمی اختیار کرے(۱) اور
خلف القفا.	دنیا اس کے پیٹھ پیچھے ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ علم و عمل اور زہد و تقویٰ کی نمائش کر کے آدمی مخلوق پر بالادستی اور عظمت کا خواہشمند ہو کہ لوگ اس کے مطیع و فرمانبردار رہیں۔ اس کے سامنے نیازمندی کریں، اس کی طرف لوگوں کی توجہ ہو، اور لوگوں پر یہ بات ثابت ہوجائے کہ اس کا علم دوسرے علماء کے مقابلہ میں زیادہ ہے، تاکہ اس کی شان بلند رہے، ایسے شخص کیلئے جہنم کا وعدہ ہے، کیونکہ مخلوق کے اوپر عظمت کا سکہ جمانا یوں بھی حرام ہے، پھر اگر اس کے لئے امور آخرت کو وسیلہ اور زینہ بنالے، تو معاملہ بد سے بدتر ہوجاتا ہے، یہ تو اس سے بدرجہا برا ہے کہ آدمی دنیاوی اسباب و سامان کے ذریعہ قدر و منزلت کا طالب ہو، حضرت کعب بن مالک

(۲) یعنی اول مجاہدہ کرے اور جب نفس اپنی سرکشی چھوڑ دے، تب اس کے ساتھ نرمی اور سہولت کا رویہ اختیار کرے، ابتداء میں اگر نفس کو سہولت مل جائے گی، تو وہ انسان کو کہیں کا نہ چھوڑے گا۔

ؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

من طلب العلم ليماری به	جو شخص علم اس لئے حاصل کرتا ہے کہ
السّفهاء او يجاری به	بیوقوفوں سے الجھے، یا علماء سے مباحثہ
العلماء أويصرف وجوه	کر کے بازی جیتے، یا لوگوں کی توجہ
الناس اليه ادخله الله	اپنی طرف پھیرے، اللہ تعالیٰ اسے
النار (ترمذی واحمد)	جہنم میں جھونک دیں گے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ علم اس کیلئے نہ حاصل کرو کہ علماء پر فخر کرو، نہ اس لئے کہ بیوقوں سے الجھو، اور نہ اس لئے کہ مجلس میں صدر مقام حاصل کرو، جس نے ایسا کیا اس کے لئے جہنم ہے جہنم۔ (ابن ماجہ وابن حبان)

ایک روایت میں مزید یہ بھی ہے کہ علم کی تحصیل رضاء الٰہی کے حصول اور جنت کے واسطے کرو، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: تین باتوں کے لئے علم حاصل نہ کرو، ایک تو بیوقوفوں سے الجھنے کیلئے، دوسرے علماء سے لڑنے کیلئے تیسرے لوگوں کی توجہ اپنی طرف منعطف کرنے کیلئے، اپنے قول وعمل سے ثواب آخرت کی نیت کرو، وہی باقی رہے گا، اور سب فنا ہو جائے گا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کی مفصل روایت موجود ہے کہ جہنم سب سے پہلے تین آدمیوں کے حق میں دھونکی جائے گی، ایک وہ عالم جس نے قرآن اس لئے پڑھا کہ لوگ اسے قاری کہیں، اس نے علم اس لئے حاصل کیا کہ لوگ اسے عالم کہیں، اس سے کہہ دیا جائے گا کہ تمہاری خواہش پوری ہو چکی، لوگوں نے تمہیں خوب عالم وقاری کہا، پھر اسے گھسیٹ کر جہنم کی آگ کے حوالے کر دیا جائے گا، اسی طرح وہ سخی، جس کی سخاوت محض فیاضی کے شہرہ کیلئے تھی، اور وہ مجاہد جس کا سارا جوش، نمودِ شجاعت کیلئے تھا۔

حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ: اے حاملین علم! اپنے علم پر عمل کرو، عالم وہی ہے، جو علم پر عمل کرے، اس کا علم اور عمل دونوں یکساں ہوں، عنقریب کچھ لوگ ایسے بھی آئیں گے

جو علم کا بار اٹھائیں گے، لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا، ان کا علم ان کے عمل کی نفی کرتا ہوگا، ان کا باطن ان کے ظاہر سے مختلف ہوگا، حلقہ بنا بنا کے بیٹھیں گے، پھر ایک دوسرے پر تفاخر کریں گے۔ ایک شخص صرف اس بات پر خفا ہو جائے گا کہ اس کے پاس بیٹھنے والا، دوسرے کے پاس کیوں گیا، ان کے یہ مجلسی اعمال خدا کی جناب میں ہرگز باریاب نہ ہوں گے۔

حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ تمہارے علم کا فائدہ صرف اتنا نہ ہونا چاہئے کہ تم پر عالم اور مولوی کا لقب چسپاں ہو جائے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے کہ اہل علم میں اس شخص کا شمار کیسے ہو سکتا ہے، جو علم محض اس لئے حاصل کرتا ہے کہ لوگوں سے بیان کرے، اس لئے نہیں حاصل کرتا کہ خود عمل کرے۔ سلف میں سے کسی بزرگ کا ارشاد ہے کہ ہم سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ لوگو! جو احادیث کی تلاش میں محض اس لئے رہتا ہے کہ لوگوں سے حدیثیں بیان کرے، وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی نیت صرف تقریر کرنے کی ہے عمل کرنے کی نہیں۔

فتویٰ دینے سے احتیاط: اسی وجہ سے علمائے سلف فتویٰ دینے کی جرأت وحرص اور اس کی جانب سبقت اور اس کی کثرت کو سخت ناپسند کرتے تھے، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

أجرأكم على الفتيا، أجرأكم على النار.	تم میں فتویٰ دینے پر وہی جری ہوگا، جو جہنم پر جری ہوگا۔

حضرت علقمہ کا ارشاد ہے کہ عموماً لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ فتویٰ دینے پر وہی شخص جری ہوگا، جو سب سے زیادہ کم علم ہوگا، براء کہتے ہیں کہ میں ایک سو بیس انصاری صحابہ سے ملا ہوں، ان میں جب کسی سے مسئلہ پوچھا جاتا، تو وہ یہی چاہتا کہ دوسرا شخص اس ذمہ داری کو اپنے سر لے، یہ بھی منقول ہے کہ ہر شخص دوسرے کے پاس بھیجتا، اور کبھی کبھی تو سائل لوٹ پھر کر پہلے ہی بزرگ کے پاس پہونچتا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر مسئلہ بتاتا رہے، وہ پاگل ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز سے ایک مسئلہ دریافت کیا

گیا، تو آپ نے فرمایا کہ میں مسئلہ بتانے میں بے باک نہیں ہوں۔ انھوں نے اپنے ایک عامل کو لکھا کہ مجھے فتویٰ دینے کی حرص ہرگز نہیں ہے، لیکن جب کوئی چارۂ کار نہیں دیکھا تو مجبوراً یہ کام کرنا پڑا، اس کام کے لائق وہ شخص نہیں ہے، جو چاہتا ہو کہ لوگ مسائل میں اس کے محتاج رہیں۔ اس کارِ عظیم کو وہی کر سکتا ہے، جس کی دلی تمنا یہ ہو کہ کوئی دوسرا اس ذمہ داری کو قبول کرے، انھیں سے یہ بھی منقول ہے کہ فتاویٰ کا سب سے بڑا عالم وہ ہے جو سب سے زیادہ سکوت پر قادر ہو، اور سب سے بڑھ کر جاہل وہ ہے جو ہر وقت بولتا رہتا ہے، حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے فقہاء دیکھے ہیں، جو مسائل اور فتاویٰ کا جواب دینا قطعاً پسند نہیں کرتے تھے، لیکن جب دیکھتے کہ فتویٰ دینے سے چارہ نہیں ہے، تو جواب دیتے تھے، اور اگر کوئی سائل ان کے بجائے کسی اور سے مسئلہ پوچھتا تو اس سے خوش ہوتے۔

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے کہ جس نے فتویٰ دینے اور مسائل بتانے کی ذمہ داری قبول کی، اس پر ایک بارِ عظیم آپڑا، مگر کبھی مجبوری ہوتی ہے، ان سے پوچھا گیا کہ کلام بہتر ہے یا سکوت؟ فرمایا: میرے نزدیک سکوت ہی بہتر ہے، پوچھا گیا کہ اگر ضرورت اور مجبوری ہو؟ فرمایا کہ ضرورت کی بات الگ ہے، تاہم اس منصب سے دور رہنے میں سلامتی اور عافیت ہے، مسائل بتانے والے کو ہمیشہ یہ بات مستحضر رکھنی چاہیئے کہ وہ احکام بتانے میں خدا کا ترجمان ہے، اس سے اس باب میں سوال ہوگا، حضرت ربیع بن خثیم اکثر فرماتے تھے کہ مفتیو! اچھی طرح غور کر لیا کرو کہ تم فتویٰ کس طرح دیتے ہو؟ حضرت ابن سیرینؒ سے جب حلال وحرام کا کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو ان کا رنگ بدل جاتا، اور ان پر اتنا اثر ہوتا کہ جیسے دوسرے شخص ہوں۔ امام نخعیؒ سے جب کوئی بات پوچھی جاتی، تو وہ اپنی ناپسندیدگی کو چھپا نہیں پاتے تھے، اور ناراض ہو کر فرماتے کہ میرے علاوہ کوئی اور شخص تمہیں ملا ہی نہیں جس سے تم پوچھتے، فرماتے کہ میں بتا تو رہا ہوں، اگر مجھے اس سے ذرا بھی چارہ کار ہوتا، تو ہرگز نہ بتاتا، اور کوفہ پر جب ایسا وقت آجائے کہ ان کے درمیان فقیہ ومفتی میں ہی رہ جاؤں تو وہ کوفہ کا بدترین زمانہ ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تم لوگ ہم سے

سوال کیا کرتے ہو، اور ہم جواب دیتے ہیں، لیکن ہماری خواہش یہ ہوتی ہے کہ کاش ہم سے یہ مسائل نہ پوچھے جاتے، محمد بن واسع سے مروی ہے کہ حساب کیلئے سب سے پہلی پیشی فقہاء کی ہوگی، امام مالکؒ سے منقول ہے کہ جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا، تو ہیبت کی وجہ سے ان کا یہ عالم ہوتا کہ گویا وہ جنت اور جہنم کے درمیان کھڑے ہیں، ایک عالم نے کسی مفتی کو سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ جب تم سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے تو اس کی فکر نہ کرو کہ سائل کی خلاصی ہو جائے، بلکہ پہلے اپنی خلاصی کی فکر کرو، انھیں نے ایک دوسرے مفتی کو سمجھایا کہ جب تم سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے، تو اچھی طرح غور کرو اگر اس میں تمہاری نجات کی کوئی سبیل ہے، تب تو بتاؤ ورنہ خاموش رہو۔(۱)

علمائے سلف کے اقوال اس باب میں بہت ہیں۔ ان کے نقل سے مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔

علماء کے روابط حکومت سے: حب جاہ ہی کا ایک شعبہ بادشاہوں، امراء سے تعلقات اور ان کے آستانوں پر آمد ورفت بھی ہے، یہی وہ دروازہ

(۱) ان اکابر کے طرز عمل اور اقوال کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فتویٰ دینا اور مسائل کا بتانا ترک کر دیا جائے، ہرگز نہیں۔ جن حضرات کے یہ اقوال آپ کے مطالعہ سے گزرے، وہ خود افتاء وارشاد کے مسند نشیں تھے، ان حضرات نے اس منصب کی عظمت واہمیت کا تجربہ کیا، اس کی مشکلات کا اندازہ کیا، علم وعمل اور زہد وتقویٰ کے یہ "جبال راسیات" (بلند پہاڑ) تو اپنی ذمہ داریاں نباہ گئے، لیکن بعد میں آنے والوں کو متنبہ کر گئے کہ مسند افتاء سے جاہ ومنزلت کا حصول تو بظاہر بہت آسان نظر آتا ہے، لیکن خبردار تم ہماری اس مقبولیت اور جاہ کو نہ دیکھو، ہماری اس آہ کو دیکھو جو ہمارے سوختہ سینوں سے نکل کر اب کاغذ کے صفحات پر آچکی ہے، کس قدر عظیم ذمہ داری ہے یہ! سوچو تو سہی تم مسائل بتانے میں مستقل نہیں ہو، اللہ اور اس کے رسول کے ترجمان ہو، خوب سمجھ لو کہ کیا بول رہے ہو، تمہاری بات کی پشت پر فرمان الٰہی یا ارشاد نبوی کی مضبوط دلیل ہے یا نہیں؟ آدمی یوں تو اپنی ہر بات کا جواب دہ قیامت کے دن ہوگا، لیکن مفتی کی ذمہ داری دہری ہے، اللہ ورسول کی ترجمانی آسان نہیں ہے، سوچ سمجھ کر اس میدان میں قدم رکھنا، اور قدم رکھو تو جاہ ومنصب کی محبت کا سر قلم کر دو، تم ان لوگوں کی جگہ پر بیٹھ رہے ہو، جو خلوص وتقویٰ اور علم وفضل کے شمس وقمر تھے، اور یہ بھی سمجھ لو کہ جب تک تمہارے بجائے دوسرا شخص اس کی ذمہ داری لئے ہوئے ہے، تم اس سے دور رہو تو بہتر ہے۔ اس جلیل القدر منصب کی نزاکتیں سامنے آجائیں، یہی ان بزرگوں کی غرض ہے۔

ہے، جہاں سے علمائے دنیا، وجاہت وریاست کی بھیک لاتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

من سکن البادیة جفا ومن	جس نے دیہات میں سکونت اختیار کی
اتبع الصید غفل ومن اتیٰ	وہ اکھڑپن کا شکار ہوا، جو شکار کے پیچھے
ابواب السلاطین افتتن	لگا وہ غفلت میں پڑا، اور جو بادشاہوں
(احمد، ابوداؤد، ترمذی)	کے یہاں حاضر ہوا، وہ فتنہ میں پڑا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

مـاازداد احـدٌ مـن السـلطان	جو شخص بادشاہ کے جتنا قریب ہوگا
دنواً إلاازداد من الله بعداً	اتنا اللہ سے دور ہوگا۔ (ابوداؤد، احمد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "میری امت کے کچھ لوگ دین کا علم حاصل کریں گے۔ قرآن کی تعلیم پائیں گے، پھر یہ کہیں گے ہم امراء وحکام کے پاس چلیں، ان سے ان کی دنیا حاصل کریں گے، اور اپنے دین کا وقار محفوظ رکھیں گے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ جیسے ناگ پھنی سے بجز کانٹے کے اور کچھ نہیں حاصل کیا جاسکتا، اسی طرح سلاطین کے قرب سے سوائے گناہوں کے اور کچھ نہیں مل سکتا۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ:

میری امت کے کچھ لوگ قرآن کا علم حاصل کریں گے، اور دین میں گہرائی تک پہونچیں گے ان کے پاس شیطان آئے گا اور کہے گا کہ تم اگر حکام کے پاس جاکر ان کی دنیا میں سے کچھ حصہ حاصل کرلو، اور اپنے دین کو بچالو، تو کیا حرج ہے؟ آپ فرماتے ہیں سن لو! ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، جیسے ناگ پھنی سے بجز کانٹے کے اور کچھ نہیں مل سکتا، ایسے ہی حکام کے قرب سے بجز گناہ کے اور کچھ نہیں پاسکتے۔ (طبرانی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے

کہ: ''جبِ حزن'' سے اللہ کی پناہ مانگو، صحابہ نے عرض کیا کہ ''جب حزن'' کیا چیز ہے آپ نے فرمایا، جہنم میں ایک وادی ہے جس سے خود جہنم دن میں سو بار پناہ مانگتی ہے، پوچھا گیا ان میں کون لوگ داخل ہوں گے، فرمایا اپنے عمل کی نمائش کرنے والے علماء (ترمذی)

ایک روایت میں اتنا اضافہ ہے:

اللہ کے نزدیک مبغوض ترین عالم وہ ہے، جو ظالم امراء و حکام کی ملاقات کے لئے جاتا ہے۔(۱)(ابن ماجہ)

جو علماء سلاطین کے آستانوں پر حاضری دیتے ہیں، ان کیلئے بڑی مصیبت یہ ہے کہ حکام کی غلط اور جھوٹی باتوں کی بھی انہیں تصدیق کرنی پڑتی ہے۔اور اگر وہ ظلم کریں تو یہ اس کی تائید پر مجبور ہوتے ہیں، اگر چہ یہ تائید بصورت سکوت ہی ہو، کیونکہ ان کے پاس رسائی کی غرض جس کے دل میں یہ ہے کہ وہ ان کے واسطے سے جاہ و رفعت حاصل کرے، وہ ان کے اعمال بد کی تردید و انکار پر کیونکر آمادہ ہو سکے گا۔ بلکہ عجب نہیں کہ ان کے اعمال قبیحہ کو خوبصورت تاویل کا لباس پہنا کر مزین کر دے، تا کہ اس کی حرمت و اکرام میں مزید اضافہ ہو، اور اس کی غرض پوری ہونے کا ایک بہانہ نکل آئے۔

حکام کے دربار کی حاضری :حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: ''میرے بعد کچھ امراء و سلاطین ہوں گے، جو ان کے پاس گیا، اور اس نے ان کے جھوٹ کی تصدیق کی، ان کے ظلم پر ان کی اعانت کی، اس کا تعلق مجھ سے اور میرا تعلق اس سے کچھ نہیں، اور وہ میرے پاس حوضِ کوثر پر بھی نہیں آئے گا، اور جو ان کے پاس نہیں گیا، ان کے ظلم پر ان کی اعانت نہیں کی، اور ان کے جھوٹ کی تصدیق نہیں کی اس کا مجھ سے اور میرا اس سے تعلق ہے اور وہ میرے حوض پر باریاب ہوگا (احمد،

---

(۱) مدارس کو حکومت کی گود میں دینے والے ان احادیث پر غور کریں کہ وہ لوگ ان مدرسوں کو حکومت کے اداروں سے منسلک کر کے، صرف مدارس کو نہیں بلکہ علماء و طلباء کی کھیپ کو حکومت کے دروازوں کا بھکاری، دفتروں کا نیاز مند، کلرکوں اور چپراسیوں کا خوشامدی بنا کر خدا کی نگاہ سے گراتے چلے جاتے ہیں دلوں کو آزار پہونچانا مقصود نہیں، آزردہ دل کی آواز سنانی مقصود ہے۔ هل من مستمع؟

ترمذی، نسائی، ابن حبان)

امام احمد نے مسند میں الفاظ کے قدرے تغیر کے ساتھ اس معنیٰ کی روایتیں متعدد صحابہ مثلاً حضرت حذیفہ، حضرت ابن عمر، حضرت خباب بن ارت، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، اسی لئے علمائے سلف بادشاہوں کے دربار کی حاضری سے ایسے لوگوں کو بھی منع کرتے تھے، جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا قصد لے کر جانا چاہتے تھے، یہ ممانعت ائمہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، عبداللہ بن مبارکؒ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ سے منقول ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کا ارشاد ہے کہ ہمارے نزدیک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا وہ شخص نہیں ہے، جو حکام وسلاطین کے دربار میں حاضر ہو، اور انہیں امر ونہی کرے، بلکہ وہ ہے، جو اُن سے قطعاً کنارہ کشی اختیار کرے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ دربار کی حاضری کے بعد فتنہ میں پڑ جانے کا سخت اندیشہ ہے، بسا اوقات دربار سے دور رہ کر انسان کا نفس اسے سمجھاتا ہے تم تو اس درجہ جری ہو کہ حکام کے پاس پہونچ کر امر بالمعروف اور نہیں عن المنکر پوری ہمت بلکہ سختی کے ساتھ کر سکتے ہو، اس دھوکہ میں پڑ کر آدمی وہاں چلا جاتا ہے، پھر جانے کے بعد جب ان کا سامنا ہوتا ہے، تو نفس سارے وعدوں کو بھول کر ان کی جاہ وحشمت پر ریجھنے لگتا ہے، کیوں کہ جاہ ورفعت کی ہوس ہر نفس میں پوشیدہ طور پر موجود رہتی ہے، یہاں پہونچ کر نفس کی سب چوکڑی ختم ہو کر رہ جاتی ہے، اب وہ ان کے ساتھ ملاطفت اور مداہنت کرنے لگ جاتا ہے، پھر اسی پر بس نہیں کرتا، بلکہ ان کی طرف میلان اور ان سے محبت وتعلق کا معاملہ بھی شروع کر دیتا ہے، بالخصوص اس وقت جبکہ ان بادشاہوں اور امراء کی طرف سے بھی نرمی اور لطف وکرم کا چارہ ملنے لگ جائے اور دربار میں ان بیچاروں کی قبولیت ظاہر ہونے لگے۔

بعض امراء کے ساتھ ابن طاؤس کو اس قسم کا معاملہ پیش آیا تھا، اس پر ان کی والدہ طاؤس نے سخت تنبیہ کی۔ حضرت عباد بن عباد کو ایک خط میں تحریر فرمایا کہ: ”امراء وحکام کی

تھوڑی سی بھی مخالطت اور قرب سے بچو۔اور ہرگز ہرگز دھوکہ میں نہ پڑو کہ تمہاری سفارش سے دوسروں کا کام چلے گا، مظلوم کی فریادرسی ہوگی، حقوق کی بازیابی ہوگی، یہ سب ابلیس کا دھوکا ہے، انھیں چیزوں کو علماء سوء نے اپنے لئے زینہ بنا رکھا ہے، اور جب تک لوگ تم سے مسائل نہیں پوچھتے، اس کو غنیمت سمجھو، ہرگز ایسے لوگوں کی ریس نہ کرو جن سے مسائل پوچھے جاتے ہیں، اور خبردار علماء کے اس زمرہ میں ہرگز شامل نہ ہونا جن کی سب سے بڑی آرزو یہ ہوتی ہے کہ ہمارے قول پر عمل کیا جائے، ہماری باتیں نقل کی جائیں، ہمارا کلام سنا جائے اور جب ان کی یہ مراد حاصل نہیں ہوتی، تو اس سے متأثر اور رنجیدہ ہوتے ہیں، اور خبردار حب جاہ و منزلت سے بہت دور رہنا، کیونکہ آدمی کے دل میں جاہ و مرتبہ کی ہوس سیم و زر کی ہوس سے بدرجہا زائد ہوتی ہے، یہ ایک بہت غامض بات ہے، اس کی گرفت صاحب بصیرت اکابر علماء ہی کر سکتے ہیں، اس لئے قلب کو بیدار رکھو، نیت کے بعد عمل کرو اور خوب سمجھ لو کہ لوگوں کے قریب ایک ایسی چیز آچکی ہے، کہ مرد آدمی اس میں مرجانا ہی غنیمت سمجھے گا، والسلام

عرض مترجم: یہاں یہ خیال ہو سکتا ہے کہ علماء جب حکومت سے کنارہ کش اور سیاسی معاملات سے برکنار ہو جائیں گے تو بادشاہوں اور حکام کی اصلاح کیونکر ہوگی، علماء کو چاہئے کہ سیاست کو اپنے ہاتھ میں لے لیں، تاکہ اسے مزاج شریعت کے مطابق چلایا جاسکے، یہ نظریہ بہت عرصہ سے عام ہوتا جارہا ہے، راقم الحروف کو اس باب میں عرصہ تک خلجان رہا ہے، ابھی کتنے دنوں کی بات ہے کہ علماء پر ہر کس و ناکس محض اس لئے فقرے چست کیا کرتا تھا کہ یہ حضرات سیاسیات سے دور رہنے میں عافیت سمجھتے ہیں، لیکن بعد میں یہ اعتراض ختم ہوگیا، کیونکہ بہت سے اکابر علماء نے اس میدان میں حصہ لیا، اور دوسروں سے اپنی سیاسی بصیرت کا لوہا منوالیا، تاہم اس نوع کی حدیثیں اور بزرگ ائمہ کے اقوال جب نظر سے گزرتے تو ایک کشمکش دل میں پیدا ہوتی کہ یا اللہ! کیا صورت درست ہے؟ اب تک جو کچھ آپ نے زیر نظر مضمون میں مطالعہ کیا، کیا اس میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے یہ سطریں علماء کو سیاست سے الگ رہنے کا مشورہ دیتی ہیں؟ پھر اس کی کیا صورت ہو کہ سیاسیات کی

اصلاح و درستگی ہو سکے؟ اس سوال پر غور کرتے ہوئے یہ بات ضرور سامنے رکھ لیجئے کہ ملوکیت کی تاریخ میں شروع سے اب تک یہی دیکھا جاتا ہے کہ جو علماء سرکار و دربار سے وابستہ رہے ہیں، ایک مختصر تعداد کو مستثنیٰ کر کے عموماً بیشتر کی دینی حیثیت مجروح ہو کر رہ گئی ہے، عامۃ المسلمین نے ہمیشہ اعتماد انھیں پر کیا ہے، جو سیاست کی آلائش سے خود کو علیحدہ کئے رہے اور سیاست کے بحر مواج میں کودنے والوں میں انھیں اکابر پر اعتماد قائم رہا ہے، جو اس سے پہلے اپنے خلوص وللہیت، وفور علم وفضل ورع وتقویٰ کے باعث کوئی مقام حاصل کر چکے تھے پھر بعد میں بھی اس پر استقامت کے ساتھ جمے رہے اس سے کم از کم یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ یہ احادیث واقوال عام طور پر عالم دین کو یہی سبق دیتے ہیں کہ دین وایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ اس دربار کا تماشا کنارے سے ہی دیکھا جائے، البتہ جو علماء آخری حد تک راسخ الیقین ہوں، آہنی عزم وارادہ اور فولادی اعصاب کے مالک ہوں، اور انہیں اطمینان ہو کہ مال ودولت کی کوئی ترغیب اور جاہ ومنصب کی کوئی تحریص انھیں متاثر نہیں کر سکتی، ان کے لئے جواز کی صورت ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے درباروں میں پہونچیں لیکن آپ بتائیے کہ ایسے کتنے آدمی ہوں گے۔

اب رہ گیا یہ سوال کہ حکومتوں کی اصلاح کیسے ہو؟ تو اس کا جواب غور کرنے سے بہت آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے، وہ یہ کہ عموماً حکومتوں کی عمدگی اور ان کی خرابی عامۃ الناس کے ضمیر کی بیداری وخوابیدگی پر منحصر ہوتی ہے، مطلب یہ ہے کہ عوام الناس کا ضمیر اگر بیدار ہے، ان میں بدی کو بدی اور نیکی کو نیکی سمجھنے اور کہنے کی ہمت ہے، تو حکومتیں بھی چونکہ انھیں میں سے ابھرتی ہیں، اس لئے ان میں خیر کا عنصر غالب رہتا ہے، اور اگر عوامی ضمیر مردہ ہو چکا ہے، تو حکومت اور بھی بے حس ہو جاتی ہے، علماء کا میدان کار حکومت نہیں ہے، عام پبلک ہے، یہ حضرات اپنے دین وایمان کی شمع سے عوام الناس کو روشنی کا فیضان کریں ان کی اصلاح وتربیت کر کے انھیں اس حد تک تیار کر دیں کہ جو حکومت ان کے درمیان سے ابھرے، اس کے دل ودماغ میں بہتر دینی خیالات کے علاوہ دوسرے خیالات کی گنجائش کم

سے کم ہو، اور اگر کبھی کوئی ظلم وستم حکومت کے دماغ میں حرکت بھی پیدا کرے، تو رائے عامہ کی بیداری کی سے وہیں ساکن کردے، علماء کا میدان درحقیقت یہ ہے، حکومت کے قریب جانے میں تو جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے بجز گناہوں کے پشتارہ کے اور کچھ نہ لائے گا۔

ایک پاکستانی بزرگ نے مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو ایک خط میں لکھا، کہ:۔

''ہمیں ندامت ہے کہ اب تک ہم اس ملک میں نہ تو عوام کی اصلاح کی خدمت انجام دے سکے اور نہ اسلامی اصولوں کے تحفظ کے لئے کوئی آئینی کام انجام سکے، الحمدللہ کہ استاذ مرحوم مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی حیات سے اسلامی نظام حکومت کیلئے کوشش جاری ہے، یہاں کے ارباب اقتدار نے گزشتہ ہفتہ مجھے بھی دستور ساز جماعت کا رکن مقرر کیا ہے، اور چند رفقاء بھی مؤید ہیں، کل دستور سازی کی غرض سے ہم سب لوگ پنجاب جارہے ہیں، ارباب اقتدار کی اکثریت غیر اسلام پسند عناصر پر مشتمل ہے یہ لوگ اسلامی دستور کی مخالفت میں سرگرم ہیں، صرف بندہ اور چند احباب اس مجلس دستور ساز میں اس ارادے سے شریک ہورہے ہیں کہ حتی الامکان اسلامی نظام کے قیام کے لئے ہم اگر ضرورت ہوئی تو اپنی جانیں قربان کردیں گے لیکن غیر اسلامی دستور نافذ نہ ہونے دیں گے، بھروسہ صرف دعاؤں پر ہے۔

حضرت مولانا نے جواباً تحریر فرمایا کہ:

''آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ہم اس ملک میں نہ تو عوام کی اصلاحی خدمت انجام دے سکے، اور نہ ہی اسلامی اصولوں کے تحفظ کیلئے کوئی آئینی کام انجام دے سکے، میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ علماء اب تک عوام کی اصلاح کی خدمت کیوں نہیں انجام دے سکے، اور کیا مدارس اور علماء سے اسلامی اصول کا تحفظ نہیں ہوسکتا، اور کیا یہ اس کا ذریعہ نہیں ہیں، ان دونوں کاموں کیلئے علماء کو کس چیز کا انتظار ہے؟

مولانا! کامیابی تو کام سے ہوگی نہ کہ حسن کلام سے ہوگی، حکومت کا کام تو صرف

مظالم ومفاسد کا انسداد ہے، اور ایک دوسرے پر ظلم وتعدی سے روکنا ہے، **وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ** ، (اگر اللہ تعالیٰ ایک کو دوسرے کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہتا تو زمین میں تباہی مچ جاتی) میں یہ مضمون ہے، کام منقسم ہے، اہل حکومت کا اور کام ہے، اور علماء کا اور کام، میں نے اگر سمجھنے میں غلطی کی ہے تو آپ سمجھا یئے۔"

حضرت مولانا نے بڑی حکیمانہ بات فرمائی ہے، علماء کا میدان عوام الناس ہیں ان کی اصلاح وتربیت سے حکومت کسی کو نہیں روکتی، ان کی طبیعتوں اور نفوس کی اصلاح کرنی چاہئے اور اسلامی اصول ظاہر ہے کہ صرف حدود وقصاص کا نام نہیں ہے، بے شمار اسلامی اصول بالخصوص اصلاح نفس کے قواعد تو کہیں بھی حکومتوں سے نہیں ٹکراتے، اگر علماء اتنا کام کما حقہٗ انجام دیدیں، تو رائے عامہ بیدار ہو جائے گی، اور حکومتوں کو سر جھکانے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہوگا، آپ خیال فرمایئے جب اصل میدان چھوڑ کر دوسری جگہوں پر کوشش کی گئی تو کتنا تصادم اور ٹکراؤ پیدا ہوا، اور ہر شر کے بعد دوسرا شر ظاہر ہوا، ایک دفعہ پاکستان میں ایسا معلوم ہوا کہ اب اسلام پسندوں نے بازی جیت لی، مگر عوامی ضمیر اسلام کے حق میں بیدار نہ تھا، نتیجہ جب ظاہر ہوا۔ تو امیدوں کا چراغ گل ہو کر رہ گیا۔ اور امت پھر ایک مرتبہ تقسیم وانتشار کی بلا میں پھنس گئی۔

قاضی عبدالغفار مرادآبادی نے حکیم اجمل خاں مرحوم کے حوالے سے حیات اجمل میں کہیں نقل کیا ہے کہ تجربہ کے بعد اندازہ ہوا کہ علماء کو میدان سیاست میں نہیں آنا چاہئے، معدودے چند کا انھوں نے استثنا کیا ہے، وہ استثنا ان سطروں میں بھی آپ نے پڑھ لیا ہے، لیکن عمومی مسئلہ دین وشریعت کی روشنی میں اور ان سیاسی لوگوں کے تجربے سے بھی یہی ہے کہ علماء کو اس خارداروادی سے دور ہی رہنا چاہئے، بالخصوص ہمارے اس دور میں تو سیاست کی وادی میں اترنے کے بعد دین وایمان، شرم وحیا، اور حمیت وغیرت کا لبادہ جس طرح چاک چاک ہوتا ہے، کسی صاحبِ بصیرت پر مخفی نہیں ہے۔ اعاذنا الله منها (مترجم)

تقویٰ کی نمائش : جاہ ہی کا ایک شعبہ یہ بھی ہے کہ آدمی چاہتا ہے کہ اس

کے علم و عمل، زہد و تقویٰ، احوال و اقوال اور عبادات و کرامات کا چرچا ہو، تاکہ لوگ اس کی ملاقات کو آئیں، اس سے برکت حاصل کرنے کی آرزو کریں، اس سے دعاؤں کی درخواست کریں، اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیں، ان امور کو آدمی پسند کرتا ہے، ان سے اسے خوشی حاصل ہوتی ہے، ان کے حصول کے اسباب کی تگ و دو کرتا ہے، یہ سخت مہلک گھاٹی ہے، اسی وجہ سے سلف صالحین شہرت و ناموری کو بہت ناگوار سمجھتے تھے، علماء ربانیین میں ایوب سختیانی، ابراھیم نخعی، سفیان ثوری، اور امام احمد وغیرہ، حضرات عارفین و عابدین میں فضیل بن عیاض اور داؤد طائی وغیرہ حضرات سے شہرت کی ناپسندیدگی شد و مد کے ساتھ منقول ہے، یہ حضرات اپنے نفوس کی سخت مذمت کرتے تھے، اور اپنے نیک اعمال کو حد درجہ پوشیدہ رکھتے تھے۔

ایک آدمی حضرت داؤد کے پاس آیا، آپ نے پوچھا کیسے آئے؟ اس نے کہا کہ زیارت کی غرض سے، آپ نے فرمایا ٹھیک ہے، تمہیں تو ثواب مل گیا، کیونکہ تمہاری نیت محض اللہ کے واسطے ہے، لیکن بتاؤ کل کو میرا حشر کیا ہوگا۔ جب مجھ سے پوچھا جائے گا کہ تم کون ہو؟ کہ تمہاری زیارت کی جاتی تھی؟ زاہدوں میں ہو؟ نہیں، عابدوں میں ہو؟ نہیں، صالحین میں ہو؟ نہیں، اسی طرح عمدہ خصائل کو گنا گنا کر نفی کرتے رہے، پھر اپنے کو سخت تنبیہ کی اور فرمایا کہ اے داؤد! جوانی میں تم فاسق تھے، اور اب بوڑھاپے میں ریاکار ہو، اور جانتے بھی ہو ریاکار فاسق سے بدتر ہوتا ہے۔

محمد بن واسع فرماتے ہیں کہ اگر گناہوں میں بدبو ہوتی تو میرے پاس ہرگز کوئی نہ بیٹھتا، ابراھیم نخعی کے پاس جب کوئی شخص حاضر ہوتا اور وہ قرآن شریف کھول کر تلاوت کرتے ہوتے، تو جلدی سے اسے چھپا دیتے۔ حضرت اویس قرنی وغیرہ کا یہ حال تھا کہ جب کسی جگہ کے لوگ انھیں پہچان لیتے تو وہ جگہ چھوڑ کر چل دیتے۔

اسی طرح بہت سے سلف اس بات کو بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ ان سے دعاء کی درخواست کی جائے، اور جو اُن سے دعاء کی درخواست کرتا، اس سے فرما دیتے کہ میں کیا چیز ہوں، حضرت عمر بن خطاب، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما اور حضرت مالک بن دینار سے

اس طرح کے کلمات مروی ہیں، ابراھیم نخعی بھی اپنے سے دعاء کی درخواست کو پسند نہیں کرتے تھے ایک شخص نے امام احمد بن حنبلؒ کو دعاء کیلئے لکھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر ہم اس کیلئے دعاء کریں تو ہمارے لئے کون دعاء کرے گا۔

ایک بادشاہ کے سامنے کسی بزرگ کے زہد و عبادت اور صالحیت کی تعریف کی گئی۔ اس نے ان سے ملاقات کا قصد کیا، بزرگ کو جب اس کی اطلاع ہوئی، تو راستہ پر بیٹھ کر کچھ کھانے لگے، بادشاہ کی ملاقات اسی حال میں ہوئی، بادشاہ نے سلام کیا، یہ جواب دے کر پھر کھانے میں مشغول ہوگئے، اور کچھ زیادہ تیزی اور انہاک سے کھانے لگے، بادشاہ کی جانب التفات تک نہ کیا، بادشاہ نے کہا کہ اس شخص میں کوئی بھی خوبی نہیں ہے، یہ کہہ کر لوٹ گیا، ان بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس شخص کو میرے پاس سے ناراض کر کے لوٹا دیا، یہ بہت وسیع باب ہے۔

تواضع بہ نیت تکبر: یہاں ایک نکتہ سمجھ لینا چاہئے کہ کبھی کبھی انسان اپنے نفس کی مذمت اس لئے بھی کرتا ہے کہ لوگ اسے متواضع سمجھیں، اور اس کا درجہ لوگوں کے نزدیک بلند ہو جائے، اور اس کی تعریف کریں۔ یہ بھی ریا ہی کا ایک شعبہ ہے اور بہت دقیق ہے، سلف صالحین نے اس کی بھی نشاندہی کی ہے، چنانچہ حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر کا ارشاد ہے کہ نفس کی خوشی کے لئے یہ بات بہت ہے کہ تم مجمع میں اس کی مذمت کر کے اس کی تزیین کا قصد کرو، خدا کے نزدیک یہ بڑی حماقت ہے۔

محبت دنیا: سطور بالا سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی ہے کہ مال و جاہ کی حرص و محبت آدمی کے دین کو تباہ کر دیتی ہے اور اس کا بہت کم حصہ باقی چھوڑتی ہے، چنانچہ حدیث میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے، جاہ و مال کی محبت کی بنیاد حُبِّ دنیا ہے، اور حُبِّ دنیا کی جڑ خواہشات کی پیروی ہے، حضرت وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ ہوس کی پیروی سے دنیا کی رغبت پیدا ہوتی ہے، دنیا کی رغبت سے مال و جاہ کی محبت پرورش پاتی ہے، اور مال و جاہ کی محبت سے آدمی حرام کو حلال کر لیتا ہے، یہ بہت عمدہ بات ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مال و جاہ کی ہوس کا سبب دنیا کی رغبت ہے، اور دنیا کی رغبت، خواہش کی پیروی سے جنم لیتی ہے، کیونکہ خواہشات کا کام ہی رغبت دنیا پر برانگیختہ کرنا ہے، اور مال وجاہ کا تعلق بھی دنیا ہی سے ہے، اس کے مقابلہ میں تقویٰ، خواہشات کی پیروی سے روکتا ہے، اور حب دنیا سے باز رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَأَمَّا مَنْ طَغَى ○ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ○ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَى ○ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى ○ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى (سورۃ النازعات)	جس نے سرکشی کی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی، پس جہنم ہی اس کا ٹھکانا ہے، اور جو اپنے پروردگار کے روبرو کھڑے ہونے سے خائف رہا اور نفس کو اس کی خواہش سے روکا تو جنت اس کا مستقر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل جہنم کی صفتِ مال اور حکومت کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ ○ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ○ يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ○ مَا أَغْنَى عَنِّي مَالِيَهْ ○ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ

بہر حال جس شخص کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا کاش مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا گیا ہوتا، کاش میرا حساب مجھے نہ معلوم ہوتا، کاش وہیں بات ختم ہو جاتی، میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میری حکومت وشوکت فنا ہوگئی۔ (سورۃ الحاقہ: ۲۵ تا ۲۹)

یہ کھلی حقیقت ہے کہ نفس انسانی اپنے اقران وامثال پر برتری کا فطرتاً طلب گار ہوتا ہے، اور اس کے زیر اثر کبر اور حسد کی پیداوار ہوتی ہے، لیکن عقل مندوہ ہے، جو دائمی برتری میں مسابقت کرے، جس میں اللہ کی رضامندی، اس کا قرب اور اس کی نزدیکی ہو، علو سے قطعاً اجتناب کرے، جو خود فانی ہے، مگر اس کے نتیجے میں بندہ خدا کے قہر وغضب کا شکار ہو جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی جناب سے بہت دور، انتہائی پستی میں جا گرتا ہے، یہ مذموم اور فانی علو کیا چیز ہے؟ یہی دنیا میں تکبر اور ناحق کی بڑائی، رہی آخرت کی برتری اور رفعت کی

حرص تو وہ محمود ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (سورۃ المطففین) اس میں سبقت کرنے والے بازی لے جائیں۔

آخرت کی حرص : حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے جب کسی کو دیکھو کہ وہ تم سے دنیا میں آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے، تو تم اس سے آخرت میں سبقت کرنے کی کوشش کرو۔ حضرت وہیب بن ورد کا قول ہے کہ اگر تم سے ہو سکے کہ اللہ کی طرف پیش قدمی میں تم سے کوئی آگے نہ بڑھ سکے تو ایسا ضرور کرو۔ محمد بن یوسف اصفہانی نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص دوسرے آدمی کے متعلق سنے یا جانے کہ وہ خدا کا زیادہ مطیع ہے، اور اس کی وجہ سے اس کا دل پھٹ جائے، تو کچھ حیرت کی بات نہیں۔ مالک بن دینار سے ایک شخص نے کہا کہ آج میں نے خواب میں ایک منادی کو یہ پکارتے ہوئے سنا کہ الرحیل، الرحیل (کوچ کرو کوچ کرو)

تو میں نے بجز محمد بن واسع کے کسی اور کو نہیں دیکھا کہ یہ آواز سنتے ہی چل پڑا ہو۔، یہ سن کر مالک کی چیخ نکل گئی اور غش کھا کر گر پڑے۔

حرص دنیا کا علاج: دنیاوی علو سے اجتناب کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں۔

۱- بندہ اس پر غور کرے کہ جو لوگ دنیا میں حکومت وریاست کی گدی پر بیٹھ کر اس کا حق نہیں ادا کر پاتے، قیامت کے دن ان کا انجام کیا ہوگا، اس سلسلہ میں ان لوگوں کے احوال پر غور کرے، جو ظلم وستم کے خوگر رہے، اور جنہوں نے خدا کی کبریائی ناحق چھیننے کی کوشش کی ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

یحشر المتکبرون یوم القیامة امثال الذر فی صور الرجال یغشاهم الذل من کل مکان یساقون الیٰ سجن فی جهنم یقال له بولس یعلوهم نارا لأنیار لیسقون من عصارة اهل النار طینة الجبال۔

متکبروں کا حشر قیامت کے دن آدمیوں کی شکل میں لیکن چیونٹیوں کے برابر جسم

میں ہوگا، ذلت ان پر ہر طرف سے چھائی ہوئی ہوگی جہنم کے ایک قید خانہ میں جس کا نام بولس ہے گھسیٹ کر لائے جائیں گے، ان کے اوپر سب سے بڑی آگ لپک رہی ہوگی، جہنمیوں کا لہو اور پیپ جسے طینۃ الجبال کہتے ہیں، انہیں پلائی جائے گی

ایک روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں:

یطاهم الناس باقدامهم	لوگ انھیں اپنے قدموں سے روندتے ہونگے۔

دوسری روایت اس طرح ہے:

یطأهم الجن والانس	انہیں جن وانس اور جانور اپنے پاؤں
والدواب بارجلهما حتیٰ	سے اس وقت تک روندتے رہیں گے
یقضی الله بین عباده	جب تک سب کے فیصلے نہ ہوجائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے وعظ کہنے کی اجازت چاہی آپ نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم لوگوں کے سامنے کہو گے، پھر اپنے دل میں اپنی بڑائی محسوس کروگے، نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے قدموں تلے ڈال دیں گے۔

۲- بندہ اس پر غور کرے کہ رفعت وسر بلندی اس کے اختیار میں نہیں ہے، بلکہ محض حق تعالیٰ کی بخشش اور موہبت ہے۔ اہل اللہ جو خدا کی معرفت ومحبت میں سرشار رہتے ہیں، اور اصحاب زہد جو خدا کے واسطے دنیاوی جاہ ومال کو ٹھکرا دیتے ہیں، رب تعالیٰ ان کی قربانیوں کے عوض انہیں اپنے فضل وکرم سے تقویٰ کی حرمت اور خلق میں ہیبت ظاہراً اور ایمان ومعرفت اور طاعت وعبادت کی حلاوت باطناً عطا فرماتے ہیں، اور درحقیقت یہی وہ حیات طیبہ ہے، جس کا مومن مرد وعورت سے بشرط عمل صالح قرآن میں وعدہ ہے، اور یہی وہ حیات طیبہ ہے، جس کی لذت وحلاوت سے سلاطین عالم، ملوک دنیا اور مریضان جاہ قطعاً محروم ہیں، حضرت ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں کہ جس خوشی وسرور میں ہم لوگ رہتے ہیں، اگر بادشاہوں اور شہزادوں کو اس کی خبر لگ جائے، تو تلواریں سونت کر ہم سے لڑنے کو تیار

ہو جائیں، جسے اللہ تعالیٰ یہ لازوال نعمت عطا فرمائیں وہ اس فانی اور مٹ جانے والے شرف وجاہ میں کیوں مشغول ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ، تقوی کا لباس بہتر ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ	جسے عزت وغلبہ کی طلب ہو وہ سمجھ لے
الْعِزَّةُ جَمِیْعًا (الفاطر)	کہ عزت تمام تر خدا کے قبضے میں ہے

بعض روایت میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

انا العزیز فمن اراد العزة فلیطع العزیز ومن اراد عز الدنیا والآخرة فعلیه بالتقویٰ.

میں عزت والا ہوں پس جو شخص چاہتا ہے اسے چاہئے کہ عزت والے کی اطاعت کرے، اور جو شخص دنیا وآخرت کی عزت چاہتا ہے اس کے ذمہ تقویٰ لازم ہے۔

حجاج بن ارطاۃ کہا کرتے تھے مجھے حب جاہ نے ہلاک کیا، اس پر ان سے ایک سوار نے کہا کہ اگر تم خدا کا تقویٰ اختیار کرتے تو شرف وجاہ حاصل کر لیتے، صالح باجی کہتے ہیں کہ خدا کی طاعت، درحقیقت امارت ہے، اور خدا کا فرماں بردار بندہ امراء کا حاکم ہے، دیکھو امراء کے دربار میں ان کی کس درجہ ہیبت ہوتی ہے، ان کی بات کو قبول کرتے اور ان کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں، پھر فرماتے ہیں کہ بارالہا! جس نے تیری خدمت میں کمر باندھی پھر تو نے اسے اپنی محبت سے نوازا، اس کا حق یہ ہے کہ ملوک وسلاطین اس کیلئے ذلیل وخوار ہوں، اور اس سے ہیبت زدہ ہوں، کیوں کہ اس کے دل میں تیری ہیبت جاگزیں ہے، اور تیرے پاس جو بھی بھلائی ہے، سب تیرے اولیاء کے حق میں مخصوص ہے، بعض سلف سے منقول ہے کہ اللہ کے اطاعت گزار بندے سے بڑھ کر خوش بخت وسعادت مند کون ہوسکتا ہے، تمام تر بھلائی طاعت میں ہے اور اللہ کا اطاعت گزار بندہ دنیا وآخرت میں بادشاہ ہے، حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ اس آدمی سے بڑھ کر حرمت وعزت کس کی ہوسکتی ہے جو ہر طرف سے کٹ کر محض اس ذات کا ہو کر رہ گیا ہو جس کے قبضہ میں ہر چیز کی ملکیت ہے۔